ہمارے رسوم و قیود

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

گذشتہ سے پیوستہ

یہ دیکھئے کہ ان رسموں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ بہت سی لڑکیاں قابل عقد ہیں بلکہ جن کا سن شادی کا گزر چکا ہے اور وہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کی شادی صرف اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ روپیہ نہیں شادی کس طرح ہو۔ کیا اسلام نے شادی کا جو طریقہ مقرر کیا ہے اس کے لئے اتنے روپیہ کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ وہی ہندوانی شادی ہے جس کے لئے روپیہ کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس سے کبھی تو ان بے زبان لڑکیوں کی جسمانی زندگی تباہ ہوتی ہے یعنی وہ مختلف امراض کا شکار ہو جاتی ہیں اور کبھی اجتماعی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے یعنی نسل قطع ہوتی ہے اور اس سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ کبھی ناموسی زندگی فنا ہو جاتی ہے یعنی وہ خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں جو شرافت کے دامن پر دھبّا لے آئیں اور عزت کی پیشانی کو عرق شرم سے تر کر دیں۔

اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اُن ماں باپ پر جو اُن کو حکم شرع کے خلاف بٹھلائے ہوئے ہیں اور یہ بٹھلانا کس بنا پر ہے؟ ان ہی رواسم کے غلط تخیل پر جو رائج ہو گئے ہیں۔

جس صورت میں کہ لڑکی بیٹھی نہیں رہی بلکہ اس کی شادی کی گئی تو آپ جانتے ہیں کہ وہ شادی ہوتی کس طرح ہے؟ قرض لے کر قرض بھی غیر سودی تو ملتا نہیں۔ ملے گا تو سودی قرضہ ملے گا اور وہ کس سے لیا جائے گا؟ ان ہی لوگوں سے جن کے پاس ان سودی قرضوں کی بدولت ہماری تمام جائدادیں منتقل ہو چکی ہیں۔

لالہ صاحب تشریف لائیں گے اور چونکہ ہم صاحبِ حاجت ہیں اس لئے منہ مانگا سود مقرر کریں گے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ شادی تو ہو گئی اور بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئی اور تعریفیں بھی خوب ہو رہی ہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ یہ تعریفیں کرنے والے، اس وقت جب گھر پر قرقی آئے گی اور مکان نیلام ہوتا ہوگا، یہی لوگ اس وقت بیوقوف بناتے ہوں گے کہ روپیہ پاس نہیں تھا تو اتنا تزک واحتشام دکھانے کی ضرورت کیا تھی؟ سود در سود میں رہا سہا جو پاس تھا وہ سب تشریف لے گیا۔ خانہ آبادی نہ ہوئی خانہ بربادی ہو گئی اور پھر نقصان مایہ وشماتت ہمسایہ کا مضمون ہوا۔

مہر کا جو اصول آپ نے مقرر کیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک بے معنی لاحاصل غیر معقول چیز ہو گیا شرع کی طرف سے مقرر کردہ مہر ایک لازمی قرضہ کی حیثیت رکھتا تھا مگر قانون نے اس کو منسوخ کر دیا۔ وہاں حسب حیثیت دلایا جائے گا۔ اس سے ایک شرعی اصول کی توہین ہوئی۔ مگر اس کا سبب کیا ہوا۔ ہمارا غلط طرز عمل۔ ہم نے شرعی اصول کو غیر عقلی لباس پہنا دیا جس کے بعد وہ قابل تسلیم ہی نہ رہا۔

جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ پچاس لاکھ یا پچاس ہزار مہر کس واسطے؟ تو جواب ملتا ہے کہ ماں کا مہر یہی

تھا، نانی کا یہی تھا، پرنانی کا یہی تھا اس لئے اس کا بھی یہی مہر ہوگا لیکن اگر پوچھا جائے کہ نانی یا پرنانی کی جب شادی ہوئی تھی تو گھر پر ہاتھی بندھے ہوئے تھے۔ اب تو ایک چھوٹا سا گھوڑا بھی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں سیکڑوں آدمیوں کی یہاں سے پرورش ہوتی تھی۔ اب کبھی کبھی خود گھر میں فاقہ کی نوبت آجاتی ہے۔ اس وقت ہزاروں روپیہ کا ساز و سامان موجود تھا اب بچھانے کے لئے فرش تک نہیں ہے۔ کہا جائے گا کہ مہر تو اتنا ہی ہوگا۔

بہتر ''اتنا ہی ہوگا'' مگر اس کا حاصل کیا ہے کیونکہ نہ وہ دین میں ملے گا نہ دنیا میں۔ دنیا کا حال تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں حسب حیثیت دلوایا جاتا ہے اور دین میں بھی یہ ظاہر ہے کہ امکان شرط ہے جب شوہر کو تمکن ہی نہیں تو آخرت کی ذمہ داری بھی کوئی نہیں۔ لطف یہ ہے کہ اگر کبھی بے چارہ دولہا مہر کی قبولیت میں عذر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اتنا مہر نہیں دے سکتا مجھ میں وسعت ہی نہیں۔ تو اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ اس وقت نہ سہی۔ ممکن تو ہے۔ خدا تو قادر ہے۔ ایک مسلمان آدمی کے سامنے جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو وہ بے بس ہو جاتا ہے اس کے لبوں پر مہر خاموشی لگ جاتی ہے مگر قصد تو فطری چیز ہے۔ کیا ہمارے اس منطقی داؤں سے اس کو قصد اِتنے روپیہ کے دینے کا ہو سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں جب کہ اپنے حالات کے لحاظ سے وہ اس کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔

میرے نزدیک یہ استدلال ہی بالکل غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا کا نظام اسباب پر قائم ہے اور ہر چیز کے لئے ایک سبب قرار دیا گیا ہے اس عالم کا نظام ان ہی اسباب پر مبنی ہے ان اسباب کے خلاف صورت اگر پیدا ہو تو وہ معجزہ ہے۔ مگر معجزہ کی توقع ہر شخص کو تھوڑی کرنا چاہئے۔ معجزہ خاص اوقات خاص اسباب اور خاص حالات کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اگر ہر شخص کے لئے ایسا ہو تو معجزہ معجزہ ہی نہ رہے وہ نشان حقانیت ہی باقی نہ رہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ انبیاءؑ مرسلین اور ائمہ بھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان ہی اسباب کے پابند تھے جن کے ہم پابند ہیں۔ ان کے لئے بھی معجزہ خاص ضرورت کے وقت پر ظاہر ہوتا تھا ورنہ نہ معجزہ کی اہمیت باقی رہتی نہ ان کی زندگی اور سیرت ہمارے لئے نمونہ رہتی۔

ہم کو کوئی حق نہیں ہے اس توقع کا کہ ہمارے لئے اس عام نظام اسباب کو توڑ دیا جائے اور ہمارے لئے معجزہ ظاہر ہو۔ حضرت عیسیٰ پانی پر چلتے تھے ہم تو جب تک پاسپورٹ لے کر اور ٹکٹ خرید کر جہاز پر نہ بیٹھیں سمندر کا سفر نہیں کر سکتے ہم بغیر ذریعہ کے ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے۔ اس بارے میں خدا پر توکل کا سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ توکل کا درجہ اپنے قوائے عمل کے استعمال کے بعد ہے۔ آپ کو مدرسۃ الواعظین تشریف لانا تھا۔ گھر میں بیٹھے رہتے، خدا کی قدرت میں تو یہ تھا کہ وہ آپ تک یہاں کی تقریر کو گھر ہی میں پہنچا دیتا کیوں نہ آپ نے خدا پر بھروسہ کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ توکل کے یہ معنی نہیں ہیں۔ یہ خیال کرنا خدا کی حکمت پر دھبّا لگانا ہے۔ اگر اسی طرح نظام کو توڑ پھوڑ کرتا رہتا تو دنیا میں کوئی آئین اور قاعدہ قائم ہی نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ ہمارے عام نظام زندگی میں ممکن اور غیر ممکن کے معنی ''ممکن عادی'' اور ''عادۃً غیر ممکن'' کے ہیں اس لحاظ سے جب دیکھا جائے تو وہ انسان جو نان شبینہ کو

محتاج ہو اُسے اپنی موجودہ زندگی میں لاکھ دس لاکھ روپیہ حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ خدا کی قدرت میں یہ اُسی طرح ہے جیسے ہمارا ہوا میں پرواز کرنا، سمندر پر بغیر کسی جہاز اور کشتی کے فن شناوری جانے بغیر رواں ہونا۔ ویسے ہی دس لاکھ روپیہ بیٹھے بیٹھے یوں ہی مل جانا۔

پھر اگر ہوا میں پرواز کا قصد آپ کو پیدا نہیں ہوسکتا۔ پانی کی سطح پر راستا چلنے کا ارادہ پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ اسے غیر ممکن سمجھتے ہیں تو دس لاکھ روپیہ دینے کا قصد آپ کو کیسے پیدا ہوگا؟ سمجھ لیجئے کہ یہ طفل تسلّی کہ اس مہر کو منظور کرلو کیونکہ ممکن تو ہے؟ خدا قادر تو ہے؟ بالکل دھوکا اور فریب ہے۔

مہر کیوں زیادہ رکھا جاتا ہے؟ خیال یہ ہوتا ہے کہ مہر زیادہ ہوگا تو لڑکی کا دباؤ شوہر پر ہوگا۔ اس کے لئے میں کہتا ہوں کہ شوہر کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے آپ زیادہ سے زیادہ مہر ایسا مقرر کردیں جسے وہ اپنی عمر بھر میں مشکل سے ادا کرسکے اگرچہ وہ بھی سیدۂ عالمؑ کے مہر کے خلاف ہوگا مگر شرع نے اس کی پابندی آپ پر واجب نہیں قرار دی ہے اس لئے آپ اس سے زیادہ بھی مقرر کرسکتے ہیں مگر براہ مہربانی اتنا زیادہ نہیں جو حدود و خیال میں نہ آئے اور جس کا کسی طرح امکان ہی نظر نہ آتا ہو۔

یہ رسمیں جو قرار پاگئی ہیں۔ اکثر صاحبان علم اور تعلیم یافتہ افراد جو وسیع الخیال ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنی روشن خیالی کے مظاہرہ میں ان پر اظہار بیزاری کرتے ہیں مگر مقام عمل میں وہ بھی ان کے پابند نظر آتے ہیں۔ مشکل سے کوئی فرد اس سے مستثنیٰ ہوگی ان پر جب اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عورتوں سے مجبور ہیں۔ کچھ بس نہیں چلتا۔ اس کے متعلق عرض ہے پہلی بات یہ کہ عورتوں کی ذہنیت کی تشکیل خود مردوں کے ذمّہ ہے یعنی شروع ہی سے عورتوں کے ذہن میں ایسے خیالات جاگزیں کرنا چاہئیں کہ وہ ان رسموں پر اصرار بیجا کریں ہی نہ کیونکہ انسان اپنے گھر والوں کے اخلاق کی درستی اور تربیت کا ذمہ دار ہے ''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ''، ''تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کا حکمران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیّت کے متعلق سوال ہوگا'' یعنی پوچھا جائے گا کہ اس نے کیسی تربیت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ایک عام فریضہ ہے تمام لوگوں کی نسبت حکم ہے کہ اچھے کاموں کی ہدایت کرے اور بری باتوں سے ممانعت کرے۔ چہ جائے کہ اپنے افراد وہ تو اپنے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہیں جن کی ہر طرح کی نگرانی اس شخص پر عائد ہے لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ شروع ہی سے بہترین خیالات کی تلقین کرے۔ اگر آپ شروع سے اپنے گھر والوں کو اس طرح کے تذکرے سناتے رہیں اور سیدۂ عالمؑ کی سیرت انھیں یاد دلاتے رہیں تو ان کے ذہن میں وہ خیالات راسخ ہوجائیں گے اور وہ وقت آنے پر اصرار بیجا کے ساتھ آپ کی زحمت کی باعث نہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ گھر والوں کا اصرار بے جا ہے تو آپ اتنے نرم اور ملائم کیوں ہوجاتے ہیں کہ ان کے کہنے میں ضرور آجائیں۔ آپ اپنی ذاتی باتوں میں تو اکثر حدّ اعتدال سے قدم آگے بڑھا دیتے ہیں۔ اسلام نے شوہر و زوجہ کے درمیان ایک حد تک مساویانہ حقوق قرار دیئے ہیں۔ عورت کی حیثیت ایک کنیز کی سی ہرگز نہیں ہے۔ عورت پر شوہر کی

اطاعت اس طرح واجب نہیں ہے جس طرح ماں باپ کی اطاعت اولاد پر یعنی سوائے واجبات اور محرمات کے ہر بات میں ان کے حکم کو ماننا ضروری ہے۔شوہر کی اطاعت زوجہ پر اس طرح غیر محدود نہیں ہے بلکہ وہ اُن ہی امور میں جو تعلقات زوجیت کے تحت میں داخل ہیں۔اور جو اس کے قیام آمدورفت سے تعلق رکھتے ہیں اس کے علاوہ کسی بات میں اطاعت واجب نہیں ہے۔شوہر کو زوجہ سے اس طرح کی خدمت لینے کا حق نہیں ہے۔ جیسے کھانا پکانا، کپڑے سینا، جھاڑو دینا بلکہ پانی پلانا اور کھانا دینا یہ چیزیں عورتوں کے ذمہ واجب نہیں ہیں۔ بیشک ان باتوں کو اصول محبت کے تحت میں انجام پانا چاہئے یہ تو انتظامی حیثیت سے تقسیم عمل کا تقاضا ہے کہ اگر شوہر کاروبار، محنت، مزدوری یا تجارت کے سلسلہ میں گھر کے باہر کا کام انجام دیتا ہے تو عورت گھر کے اندر کا کام انجام دے شوہر کا کیا ذکر ایک گھر میں ماں اور بیٹے ہوں۔ بیٹا طلب معاش میں باہر رہتا ہے تو ماں کا انتظامی فرض ہے کہ وہ کھانا پکا کر رکھے مگر کیا اس کے معنی ہوئے کہ ماں پر بیٹے کی اطاعت واجب ہوگئی۔اسی طرح ایک گھر میں بھائی اور بہن ہوں تو وہاں یہی صورت ہوگی۔ اسی طرح سمجھ لیجئے شوہر اور زوجہ کو۔ مگر اس کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ آپ کی حکومت قائم ہوگئی اگر کبھی وقت پر کھانا نہ تیار ہوا تو تیوریوں پر بل آگئے۔ اگر سالن بدمزہ ہوا تو پیالہ اٹھا کر صحن میں پھینک دیا۔ یہ باتیں وہ ہیں جن میں لوگ حد اعتدال سے قدم آگے بڑھا دیتے ہیں مگر وہ باتیں جن میں عورتوں کے کہنے پر نہیں چلنا چاہئے ان میں ان کے مرید بن جاتے ہیں۔قرآن میں تو یہ ہے کہ ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' یعنی مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں مگر یہاں معاملہ برعکس ہوجاتا ہے ''اَلنِّسَآءُ قَوَّامَاتٌ عَلَی الرِّجَالِ'' یعنی عورتیں مردوں پر حکمراں ہوتی ہیں۔ اگر آپ واقعی ان رسموں کی مضرت کا احساس رکھتے ہیں تو آپ کو اپنی بات پر قائم رہنا چاہئے اصرار بیجا کو ٹھکرا دینا چاہئے اور خاطرداری کے اصول کو پامال کرنا چاہئے جب کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ کی قومی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔

مجھے اتفاق ہوا ایک مرتبہ ایک عقد میں شرکت کرنے کا۔نوشاہ جن کا عقد ہو رہا تھا بی۔اے۔ تھے۔ان کے والد ماشاء اللہ انگریزی داں، قوم پرست اور تحصیلدار۔ ماموں ایک کالج کے پروفیسر غرض سب روشن خیال یعنی خانہ تمام آفتاب۔ مجھ سے عقد پڑھنے کا وعدہ ہوا اور چونکہ جانا دور تھا اس لئے قرار پایا کہ اُسی موٹر پر جس پر دولہا جائے گا میں بھی سوار ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا موٹر آیا اور ہم لوگ روانہ ہوئے۔ دیکھا تو دولہا سر سے پیر تک سُرخ لباس پہنے ہوئے جس میں لچکا پٹھا اور نہ معلوم کیا کیا ہاتھ میں کنگنے کے ساتھ ایک کٹاری بھی بندھی ہوئی اور چہرہ پر چار چار سہرے جن کے بار سے گردن کا اُٹھانا مشکل، گرمی سخت تھی اور دوپہر کا وقت تھا میں خاموشی کے ساتھ روانہ ہوا جب شہر کے حدود ختم ہوئے اور باہر نکلے تو میں نے نوشاہ سے کہا کہ اب آپ سہرا اُلٹ دیجئے، بہت گرمی ہے، جب وہاں پہنچیں گے تو پھر سہرا ڈال لیجئے گا۔انھوں نے جو مجھے اپنے حال زار پر مہربان پایا تو کہنے لگے میں نے تو سمجھ لیا کہ جس دن کسی کا عقد ہو اس دن وہ اپنے تئیں مردہ سمجھ لے۔ مجھ کو موقع مل گیا۔ میں نے کہا آپ تو تعلیم یافتہ ہیں آپ کے والد اتنے

اصلاح پسند اور آپ کے ماموں ایسے۔ پھر آپ کے یہاں یہ پابندیاں کیسی؟ جواب دیا کہ میں نے کہا تھا مگر والد نے مجھے ڈانٹ دیا۔ دوسرے دن ان کے والد سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے تذکرہ کیا اور کہا کہ آپ کے یہاں ایسی باتوں کا ہونا تعجب ہے۔ کہا ''جی ہاں ان باتوں کو بُرا تو میں بھی سمجھتا ہوں مگر ایک خالہ ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوگیا۔'' میں نے دل میں کہا کہ ایک خالہ تھیں جب تو یہ ہوا۔ اگر ماشاءاللہ گھر عورتوں سے بھرا ہوتا تو کیا ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے یہ صرف روشن خیالی کا ایک مظاہرہ ہے یا اسے فیشن سمجھ لیجئے کہ یہ ان باتوں کو زبان سے بُرا کہتے ہیں لیکن اگر حقیقۃً انھیں ان برائیوں کا احساس ہوتا اور اہمیت نگاہ میں ہوتی تو یہ ضرور سدِّ راہ ہوتے۔

اچھا ان باتوں کو نظرانداز کیجئے۔ طرفین کی رضامندی تو عقد کے لئے شرعی حیثیت سے قطعاً لازم وضروری ہے مگر آپ کے یہاں کے رواسم میں اس کی جگہ نہیں۔ لڑکی کا منشا کسی طرح معلوم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اگر کسی طرح لڑکی کی عدم رضامندی کا علم ہوجائے تو کبھی کبھی ماں باپ کو ضد ہوجاتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اب تو ہم یہیں کریں گے۔ اس کی وجہ سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بے شک آپ کے یہاں شرم وحیا کا لحاظ قابلِ قدر ہے مگر آپ ایسے ذرائع اختیار کریں کہ شرم وحیا کے ٹوٹے بغیر اُنکا منشا معلوم ہوسکے اس کے لئے ایک بہترین صورت یہ ہے کہ اُن سے کسی اور لڑکی کا نام لے کر مشورہ کیجئے کہ اس کا عقد فلاں لڑکے کے ساتھ کیا جائے؟ اس طرح وہ اپنے خیال کا آزادی کے ساتھ اظہار کردیں گی اور آپ کو اس خیال کی پابندی لازم سمجھنا چاہئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صاحب معاملہ ہم ہیں۔ وہ کچھ نہیں، غلط ہے۔ شرعاً تو صاحب معاملہ وہی ہیں۔ عقد کے وقت وکالت عقد اُن سے حاصل کی جاتی ہے مگر آپ نے رسمیں ایسی قرار دے لی ہیں کہ اُن کی رضامندی وعدم رضامندی کا اس میں پتہ نہیں چل سکتا جب وکیل عقد اُن سے دریافت کرے تو سکون کرنا رسم، پاس بیٹھنے والیوں کا اصرار کرنا کہ ''ہوں'' کہہ دو داخل رسم۔ اِدھر اُدھر کی زبردستی سے ''بمجبوری'' ان کا ہوں کہنا رسم، اس ''ہوں'' کے بعد رونا داخل رسم۔ اب بتایئے کہ کوئی لڑکی ناراض بھی ہے تو وہ کس طرح اپنی ناراضگی کا اظہار کرے؟ اور ہم کس طرح اندازہ کریں کہ یہ لڑکی ''ہوں'' بخوشی کہہ رہی ہے یا بجبر؟ ہر چیز میں بدشگونی کی طرف نظر جاتی ہے مگر اس رونے میں بدشگونی کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ممکن ہے کہ کبھی کوئی لڑکی عقد کے موقع پر ناراضگی کی بنا پر روئی ہو۔ اس وقت سے اس پر رسم کا پردہ ڈال دیا گیا تاکہ حقیقت واقعہ کا انکشاف نہ ہونے پائے۔ اب ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں اور ہم ظاہری اقرار کے پابند ہیں اس لئے عقد پڑھ دیتے ہیں مگر آپ یاد رکھئے کہ اگر لڑکی نے دباؤ سے ''ہوں'' کہی ہو اور واقعی رضامند نہ ہو تو شرعی حیثیت سے وہ نکاح کوئی چیز نہ ہوگا۔

آپ کو اپنی ذمہ داری کا پورے طور پر احساس ہونا چاہئے۔ آپ کو اس کشتی کے ساحل مراد تک پہنچنے کی فکر ہونا چاہئے جسے آپ سمندر میں ڈال رہے ہیں۔ اگر اسی وقت سے لڑکی کے خیالات اپنے آئندہ ہونے والے شوہر

کے متعلق خراب ہوں تو کبھی اس کی معاشرت اس کے ساتھ خوشگوار نہ ہوسکے گی۔ آپ کا فرض ہے کہ اس کی زندگی میں اطمینان وسکون پیدا ہونے کے تمام ذرائع ابھی سے مہیا کریں۔ آپ کو اس میں کوئی برا خیال بھی نہ ہونا چاہئے۔

عزیز داری میں تو اکثر لڑکیوں کو اعزاء کے لڑکوں کے ساتھ بچپنے میں کھیلنے کا موقع حاصل ہوچکا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انھیں اسی وقت کسی سے انس اور کسی سے نفرت پیدا ہوچکی ہو۔ کسی اور طرح پر نہیں بلکہ بالکل معصومانہ انس اور نفرت مگر کیا اس وقت جو خیالات پیدا ہوچکے ہیں وہ تبدیل ہوسکتے ہیں؟ اب اگر آپ نے ان کی قسمت کو وابستہ کیا ہے ایسے لڑکے کے ساتھ جس سے انھیں طبعاً تنفّر پیدا ہوچکا ہے تو ہرگز ان کی زندگی اس کے بعد خوشگوار نہیں ہوسکتی۔ بہت سے گھروں کی آبادی اور بربادی کا سوال اس مسئلہ میں مضمر ہے۔

بعض نئی روشنی کے حضرات اور تجدد کے علمبرداروں کا یہ خیال کہ شادی کو محبت پر مبنی ہونا چاہئے یعنی پہلے محبت پیدا کرنے کا موقع دیا جائے پھر شادی کی جائے۔ یہ تو میرے نزدیک ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ محبت ایک اضطراب آفریں تموج ہے اور شادی ایک استوار عمارت۔ کبھی پائدار عمارت متحرک لہر پر قائم نہیں کی جاسکتی اس لئے شادی کی بنیاد تو حکیمانہ دوراندیشی ہی پر مبنی ہوسکتی ہے جس کے لئے والدین کی رائے زیادہ قابل اعتماد ہے اور ان کا انتخاب زیادہ محفوظ ہے مگر پھر بھی لڑکی کی منشاء کو بالکل نظرانداز کردینا ہرگز درست نہیں۔ انتخاب کریں والدین ہی مگر لڑکی کی رضامندی صمیم دل سے ضرور حاصل کرلیں۔

اس کے ساتھ عقد میں سادگی اور کفایت شعاری مدنظر رکھیں ہرگز ہرگز اس میں سبکی کا خیال دل میں نہ لائیں۔ خود پیغمبر اسلامؐ سے بڑھ کر کس کی عزت ہوگی۔ اگر آپؐ چاہتے تو ہزاروں روپیہ تقریب شادی میں صرف کردیتے مگر آپؐ نے اپنی صاحبزادی سیدۂ عالمؑ کا عقد جس طرح کیا۔ آپ کو معلوم ہے۔ جہیز سیدہ کا کیا تھا؟ لیف خرما کے چند تکیے، چمڑے کا بچھونا، چند مٹی کے برتن، ایک چرخہ اور ایک چکّی۔ آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ بھی چرخہ اور چکّی دیجئے مگر آپ بھی اپنے زمانہ کے لحاظ سے ضرورت کی چیزوں پر بقدر حیثیت اکتفا کیجئے۔

سیدۂ عالمؑ اور امیرالمومنینؑ کا جو عام طرز زندگی تھا۔ رسالتمآبؐ نے اس کے لحاظ سے کارآمد چیزیں بیٹی اور داماد کو دیں آپ بھی اپنے طرز زندگی کے لحاظ سے کارآمد چیزوں کی ایک فہرست مرتب کرلیجئے۔ مگر اس میں صرف نمائش کا خیال نہ ہونا چاہئے۔

یہ نمائش نہیں تو کیا ہے کہ جہیز کے سامان کو زیادہ دکھلانے کے لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز ایک ایک مزدور کے سر پر رکھ دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ لڑکی کے ضروریات مدنظر ہیں، نہ داماد کے۔ بلکہ فقط اپنی نمائش مقصود ہے۔

ہم اگر اپنی تمام رسموں میں رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں تو ہماری زندگی میں وہ انقلاب ہوجائے جو ہماری آتی ہوئی موت کو پلٹا دے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ ہم عنقریب حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ کوشش کیجئے کہ ایسا نہ ہو۔

۞۞۞